ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ

عربی زبان کی اہمیّت

عربی زبان کو بجا طور پر ام الالسنہ کہا جاتا ہے۔ یہ زبان اپنی وسعت، لچک اور گیرائی کے لحاظ سے دنیا کی تمام دوسری زبانوں پر تفوق رکھتی ہے۔ اس موضوع پر مسلم اور غیر مسلم ارباب تحقیق اور ماہرین لسانیات نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش بھی ہے۔ مضمون ذیل اسی نقطۂ نظر کے ماتحت شائع کیا جا رہا ہے۔

عربی زبان دنیا کی اہم زبانوں میں سے ہے اور اس کی اہمیت کے کئی پہلو ہیں: مذہبی، تاریخی، علمی اور سیاسی۔ مضمون ہذا میں ان ہی مختلف پہلوؤں پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔

عربی زبان کی مذہبی حیثیت

عربی زبان سب سے پہلے اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ اہل اسلام کی مذہبی زبان ہے یعنی مسلمانوں کا دستور العمل یعنی قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور ان کے ہادیٔ مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) کی زبان بھی عربی تھی۔ لہذا رسولِ کریمؐ کی احادیث کے مجموعے بھی عربی زبان ہی میں مدوّن ہوئے۔ اقطاعِ عالم کے مسلمان باشندوں کی ملکی یا قومی زبان خواہ کچھ ہو مگر مذہب ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس قدر دخیل ہے کہ انھیں عربی زبان سے کسی نہ کسی طرح ضرور ہی واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً نماز پنجگانہ عربی میں ادا ہوتی ہے۔ مسلمان باہمی ملاقات کے وقت عربی ہی میں علیک سلیک کرتے ہیں۔ اگرچہ دنیا کی اکثر اسلامی اور غیر اسلامی زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمے ہو چکے ہیں، مگر مسلمانوں کے ہاں اس کی تلاوت ہر جگہ اصل عربی

میں ہوتی ہے۔ جب کسی مسلمان گھرانے میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں سب سے پہلے عربی زبان کے یہ الفاظ پھونکے جاتے ہیں: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور یہی وہ کلمۂ طیبہ ہے جو مرتے وقت بھی ہر مومن کے ہونٹوں پر ہونا چاہیے۔ غرضیکہ روئے زمین کے مسلمانوں کی خواہ کوئی نسل یا بولی ہو، ان کی زبان اور ان کے کان عربی سے کم و بیش ضرور آشنا ہوتے ہیں۔

عربی زبان کا علم ان لوگوں کے لیے بھی ازبس ضروری ہے جو مذہب اسلام کا بنظر غائر محققانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہوں۔ کیونکہ نہ صرف قرآن و حدیث جو اسلام کے اساسی ارکان ہیں عربی زبان میں ہیں بلکہ باقی مذہبی علوم بھی جو ان کے تابع ہیں یا ان سے ماخوذ ہیں سب سے پہلے عربی ہی میں مدوّن ہوئے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کی زندگی کے تمام اخلاقی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی شعبے مذہبی عقائد اور شرعی احکام سے کم و بیش متاثر ہوئے ہیں لہذا جو محقق بھی مسلمانوں کے عقائد و اعمال اور ان کے ہر قسم کے کردار کے اسباب و محرکات کو دریافت کرنا چاہے اس کے لیے ازبس ضروری ہے کہ وہ اسلام کے سرچشموں اور اس کی شریعت کے اصلی ماخذوں کی طرف رجوع کرے جو عربی زبان میں ہیں۔ عربی زبان جانے کے بغیر کوئی شخص اسلام کے سرچشموں تک براہِ راست نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی وہ اسلام کی حقیقی روح کو کماحقہٗ سمجھنے کی امید کر سکتا ہے۔ عربی زبان کے جو تراجم دنیا کی دیگر زبانوں میں ہوئے ہیں وہ عربی مذہبی لٹریچر کی بے پایاں وسعت کے مقابلہ میں اس قدر کم ہیں کہ وہ ہمیں اصل ذخیرہ سے ہرگز مستغنی نہیں کر سکتے۔ لہذا اہل اسلام کی ذہنیت کو سمجھنے، ان کے عقائد کی تہ تک پہنچنے اور ان مذہبی اور اخلاقی اصول کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے جن کی پابندی کو وہ اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں، ہمیں لامحالہ عربی مصادر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

اگرچہ عجمی ملکوں میں عربی کی حیثیت ایک غیر زبان کی ہے مگر وہاں بھی علماء اسلام کا ایک گروہ موجود ہے جو عربی زبان کے درس و تدریس میں مصروف رہتا ہے۔ چونکہ عام مسلمان

ان ہی عربی دان علماء سے اپنے دین کا علم حاصل کرتے ہیں اس لیے ان کے واسطہ سے عوام کے دل و دماغ بھی عربی زبان کے اثر و نفوذ کو قبول کر لیتے ہیں۔

عربی زبان کا علمی پہلو

اس میں کچھ کلام نہیں کہ ان اسباب میں سے جو عربی زبان کو اہم بناتے ہیں اس کی مذہبی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے، اور اوّلیت کا درجہ رکھتی ہے مگر عربی کی اہمیت اس کی مذہبی حیثیت میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ امتداد زمانہ سے اس کی اور بہت سی حیثیتیں پیدا ہو گئی ہیں، اور تاریخی ارتقاء سے اس کی اہمیت کے کئی دیگر پہلو وجود میں آ گئے ہیں، لہٰذا عربی لٹریچر جو گذشتہ چودہ صدیوں میں پیدا ہوا ہے وہ تاریخی، لسانی اور ادبی نقطۂ نظر سے بھی درس و مطالعہ کا بدرجۂ اتم مستحق ہے۔ عربوں کی فتوحات کے ساتھ ساتھ جب ان کی زبان بھی اطراف عالم میں دور دور تک پھیل گئی اور ان کی وسیع سلطنت کی سرکاری زبان بن گئی اور بعد ازاں مذہبی اور دنیوی علوم کی تدوین اور یونانی فلسفہ و حکمت کے تراجم سے عربی کا دامن مالا مال ہو گیا تو عربی تمام عالم اسلام کی علمی زبان بن گئی اور رفتہ رفتہ اس میں تمام علوم و فنون کے خزانے جمع ہو گئے۔

عربی زبان کی تاریخی اہمیت

عربوں نے اپنی ملکی اور سیاسی تاریخ نہایت شوق اور محنت سے قلمبند کی ہے اور عربی زبان میں تاریخی معلومات کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے وہ تاریخ عالم کی سیاسی اور تمدنی تاریخ کی تدوین میں بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ مگر عربی تاریخی لٹریچر کی اہمیت محض اس کی ضخامت اور وسعت میں پوشیدہ نہیں ہے بلکہ وہ اس وجہ سے اہم ہے کہ اس لٹریچر میں اس قوم کی تاریخ محفوظ ہے جو کئی صدیوں تک متمدن دنیا کے ایک وسیع و عریض حصے پر حکمرانی کر چکی ہے اور ایک مدت تک تہذیب و تمدن کی علمبردار رہ چکی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس نے قدماء کے علوم و فنون کو ضائع ہونے سے بچایا اور پھر ان میں قابل قدر اضافہ کر کے ہم تک پہنچایا۔

دنیا کی کوئی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جاسکتی جب تک کہ اس میں عربوں کا اور ان کے کارناموں کا ذکر نہ ہو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ عربوں کی تاریخ صرف عربی مصادر ہی سے اخذ کی جاسکتی ہے۔

عربی مؤرخوں نے صرف مسلمان قوموں ہی کی تاریخ کو ضبط نہیں کیا بلکہ عربی زبان میں دیگر اقوام اور مذاہب کی تاریخ بھی مسطور ہے۔ مثلاً البیرونی نے اپنی کتاب الہند میں ہند کے قدیم علوم و فنون کے متعلق جو قیمتی معلومات جمع کی ہیں انھیں عہد حاضر کے علماء بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ جرمن مورخ فون رانکے کا قول ہے کہ لاطینی کو مستثنیٰ کرنے کے بعد علم تاریخ کے نقطۂ نظر سے دنیا کی تمام زبانوں میں عربی سب سے اہم ہے۔ اسی پروفیسر رابرٹ فلنٹ نے اپنی تاریخ 'فلسفۂ تاریخ' (مطبوعہ ایڈنبرا، ۱۸۹۳ء) میں لکھا ہے کہ:

"اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ قرون وسطیٰ میں عیسائی تمدن کے پہلو بہ پہلو اسلامی تمدن بھی موجود تھا اور عیسائی مورخین کے ساتھ ساتھ مسلمان مورخین بھی مصروفِ عمل تھے۔ اس عہد کے مسیحی ملک دنیا کا ایک حصہ ہی تو تھے جن کو پورے طور پر سمجھنا دنیائے اسلام کے سمجھنے کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ہماری عمومی تاریخیں، تمدن کی تاریخیں اور فلسفۂ تاریخ کی کتابیں اس وجہ سے ناقص ہیں کہ ان کے مصنفین کا علم تاریخ اسلام کے بارے میں ناقص تھا۔ علماء کی کوئی جماعت فن تاریخ کی اتنی خدمت سرانجام نہیں دے سکتی جتنی وہ جماعت جسے عربی تاریخوں تک رسائی حاصل ہے، اور جو ان سے استفادہ کرسکتی ہے۔ مسلم مورخین کے قلم سے اسلامی ملکوں کی تاریخیں بھی اسی شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں جس تفصیل کے ساتھ مسیحی ملکوں کی تاریخیں قرون وسطیٰ میں قلمبند ہوئی تھیں۔ لہٰذا عالم اسلام کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں اور تعلیم یافتہ طبقہ کے علمی ورثہ میں شامل کی جاسکتی ہیں۔"

پروفیسر فلنٹ نے عربی دان علماء سے فن تاریخ کی جس خدمت کی خواہش ظاہر کی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے اہم عربی مولفات کو جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں چھاپ کر شائع کر دیا جائے اور بعد ازاں چیدہ چیدہ کتابوں کا دوسری اہم زبانوں میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ دیگر قومیں بھی اسلامی ملکوں کی تاریخ سے آگاہ ہو سکیں۔ اس قسم کے تراجم بے حد سود مند ثابت ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر مقدمہ ابن خلدون کو لیجیے اگر فرانسیسی مستشرق دی سلین اسے فرانسیسی زبان میں منتقل نہ کرتا تو پروفیسر فلنٹ اور دوسرے مغربی فضلاء ابن خلدون کے خیالات اور آراء سے ناآشنا رہتے۔

عربی زبان کی اہمیت: تاریخ العلوم کے لحاظ سے

عربی زبان تاریخ العلوم کے لحاظ سے بھی ایسی ہی اہم ہے جیسی کہ سیاسی تاریخ کے لحاظ سے اور تقریباً ان ہی وجوہات کی بنا پر جن کا فصل بالا میں ذکر ہوا۔ علوم وفنون کی ابتداء اور ان کے ارتقاء کی تاریخ نے زمانہ حال میں ایک دلچسپ اور مستقل علم کی صورت اختیار کر لی ہے جس کے مطالعہ سے نہایت مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مغربی مصنفوں کے قلم سے علوم وفنون کی جو تاریخیں نکلتی ہیں ان کی بالعموم یہ کیفیت ہے کہ وہ یونان اور روم کا ذکر کرنے کے بعد فوراً یورپ کے عہد حاضر کی طرف آ نکلتے ہیں اور عربوں کے علمی اور فنی کارناموں کا بالکل ذکر نہیں کرتے حالانکہ وہ عرب ہی تھے جنھوں نے علوم وفنون کو قرون وسطیٰ میں زندہ رکھا جب کہ یورپ ابھی غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ اس فروگذاشت کی وجہ بیشتر یہ ہے کہ عربوں کے علوم عربی زبان میں مدوّن ہیں اور زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے عام مغربی مصنفین کی ان تک رسائی نہیں۔

قرون وسطیٰ میں عربوں نے مختلف علوم وفنون کو فروغ دیا اور ان میں جو برگ وبار پیدا کیے اس کی تحقیق اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ محقق عربی زبان سے واقف نہ ہو۔ مسلمانوں کا علمی سرمایہ بیشتر عربی زبان ہی میں ہے، کیونکہ صدیوں تک نہ صرف عرب لوگ اپنی

علمی تصانیف عربی ہی میں لکھتے رہے بلکہ دیگر مسلم اور غیر مسلم اقوام نے بھی جنھوں نے عربی تمدن کے اثر سے عربی زبان اختیار کر لی تھی عربی ہی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا جو نہ صرف اسلامی معاشرہ کی مذہبی زبان تھی بلکہ اس زمانے کی سرکاری اور بین الاقوامی علمی زبان بھی تھی۔ مثلاً فارابی اور ابن سینا اصلاً ترک تھے مگر فلسفہ، حکمت، طب اور موسیقی میں ان کی تمام تصانیف عربی میں ہیں۔ اسی طرح عمر خیام نے جو دنیا میں محض ایک فارسی شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے، اپنا الجبرا عربی ہی میں لکھا تھا۔ ابوالایمان البیرونی خوارزم (خیوا) کے ملک میں پیدا ہوا تھا مگر اس نے اپنی تمام علمی کتابیں عربی میں لکھیں۔

یہی حال اس عہد کے اور سینکڑوں اساطین علم کا ہے جن میں بہت سے یہودی اور مسیحی علماء بھی شامل ہیں۔ الغرض قرون وسطیٰ کے بہترین دل و دماغ رکھنے والے ارباب دانش کی دماغی کاوش اور ادبی نگارش اور ان کی تحقیقات کے نتائج ایک ایسے خزانے میں جمع ہو گئے ہیں جن کی کنجی عربی زبان میں ہے۔

ایک جرمن فاضل یوحنا بیکمن عربوں کے علمی کارناموں کا اور اس ضمن میں عربی زبان کی اہمیت کا یوں ذکر کرتے ہیں: "عرب کیا ہی شریف لوگ تھے۔ علم کے ایک بہت بڑے حصے کے لیے ہم ان کے ممنون ہیں۔ نیز بہت سی مفید اشیاء کے لیے جو انھوں نے ایجاد کیں، جو برکات اور فوائد ہم نے ان سے حاصل کیے ہیں ان کا اگر ہمیں پورا پورا علم حاصل ہو تو ہمیں اپنی ممنونیت کا اور بھی زیادہ احساس ہو۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان کی کتابیں پڑی پڑی خاک ہو رہی ہیں اور کوئی نہیں جو ہمیں ان کے مضامین اور مطالب سے آگاہ کر سکے۔ یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ وہ لوگ جو اس وسیع زبان کے عالم ہیں ہمارے ملک میں مناسب قدردانی اور حوصلہ افزائی سے محروم ہیں۔ اگر مجھے بیس سال اور زندہ رہنے کی امید ہوتی اور میرے پاس عربی مخطوطات بھی کافی تعداد میں مہیا ہوتے تو میں ضرور عربی زبان سیکھتا۔"

بیکمن کی قسمت میں نہ تھا کہ وہ عربوں کے علمی لٹریچر سے استفادہ کی غرض سے عربی

زبان سیکھ سکتا مگر ہاں زمانۂ حال کا ایک ہمعصر فاضل اس بارے میں یعنی عربی زبان کی تحصیل میں زیادہ خوش نصیب ثابت ہوا ہے۔ میری مراد ڈاکٹر جارج سارٹن سے ہے جو ایک جامع تاریخ العلوم کے مؤلف ہیں اور کئی سال تک ہارورڈ یونیورسٹی میں مقیم رہ چکے ہیں۔ تحقیقات کے دوران میں ان پر یہ بات جلد واضح ہوگئی کہ جہاں تک قرون وسطیٰ کا تعلق ہے عربی زبان کے بغیر وہ اس عہد کی علمی تحقیق کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ انھیں اس بات کا اتنا قوی احساس ہوا کہ انھوں نے بالآخر شام کا رخ کیا اور وہاں ایک سال قیام کر کے عربی میں استعداد پیدا کی تاکہ وہ عربی مولفات کو بذات خود پڑھ سکیں۔ واپسی پر انھوں نے عربی کی تحصیل کے آسان طریقہ پر ایک مفید رسالہ بھی تحریر کیا۔

عربی زبان میں مختلف علوم و فنون کے جو خزانے جمع ہو گئے تھے ان کی بنا پر عربی نے نہ صرف یورپ کے قرون وسطیٰ میں اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی بلکہ عربی کی شہرت اور قدر و منزلت یورپ کے علمی حلقوں میں قرون وسطیٰ کے بعد بھی قائم رہی۔ چنانچہ جب انگلستان کی حکومت نے وہاں کے مشہور ادیب ڈاکٹر سموئیل جانسن (متوفی ۱۷۸۴ء) کے لیے ان کی علمی خدمات کے صلہ میں پنشن مقرر کی تو ڈاکٹر جانسن نے بصد حسرت کہا کہ "اگر یہ پنشن مجھے بیس سال پہلے ملتی تو میں مشرق جاتا اور پروفیسر پوکاک[1] کی طرح عربی سیکھتا۔"

عربی زبان کے تعلقات دیگر اسلامی زبانوں کے ساتھ

عربی زبان اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ دیگر اسلامی زبانوں مثل فارسی، ترکی، اردو، سواحلی، اور ملایا کی زبان کے ساتھ اس کے کم و بیش گہرے تعلقات ہیں۔ یہ تمام زبانیں

۱۔ پوکاک آکسفورڈ یونیورسٹی کے عربی زبان کے پہلے نامور پروفیسر تھے جنھوں نے اپنے زمانے میں عربی زبان اور عربی علوم کا خوب چرچا کیا۔ اور دیگر علمی خدمات کے علاوہ انھوں نے اندلسی فلسفی ابن طفیل کی تالیف "حی بن یقظان" کا لاطینی میں ترجمہ کیا اور اس کے فلسفہ سے اپنے ابناء وطن کو متعارف کرایا۔

عربی سے کم و بیش متاثر ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان کی لغوی تحقیق میں اور ان کے ادبیات کو سمجھنے اور ان سے لطف اٹھانے کے لیے عربی زبان کا علم بہت مفید ہے۔ یہ زبانیں زیادہ تر ایسی اقوام کی ہیں جن کا مذہب اسلام ہے اور جن کا عربوں کے ساتھ براہِ راست تعلق رہا ہے۔ چنانچہ ان اقوام کی زبانوں میں کثرت سے عربی الفاظ داخل ہو چکے ہیں اور ان کے ادبیات بھی عربی اسالیب سے متاثر ہوئے ہیں۔ لہٰذا جس قدر کوئی شخص عربی زبان اور ادب سے واقف ہوگا اسی نسبت سے وہ ان زبانوں کے ادبیات سے زیادہ لطف اندوز ہو سکے گا۔

عربی اور فارسی کے تعلقات

جب عربوں نے ایران فتح کیا تو ایرانی قوم کی زندگی کا ہر ایک شعبہ اس سے کم و بیش متاثر ہوا۔ چنانچہ تین چار صدی تک عربی ملک ایران کی سرکاری اور علمی زبان کی حیثیت سے مروج رہی اور اس کے مقابلہ میں ملکی زبان دب گئی۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری تک فارسی میں علمی مضامین بیان کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی تھی، اور علمی حلقوں میں اسے کوئی خاص وقعت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ابوالریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا اپنی 'کتاب الصیدلہ' میں عربی اور فارسی کی صلاحیتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

وانی لسان العرب نقلت العلوم من اقطار العالم فازدانت وحلت فی الافئدۃ وسرت محاسن اللغۃ منہا فی الشرایین والاوردۃ وان کانت کل امۃ تستحلی لغتہا التی الفتہا واعتادتہا و	دنیا کے اقطام، ملکوں کے علوم عربوں کی زبان میں منتقل ہو چکے ہیں جس سے ان علوم کو چار چاند لگ گئے ہیں اور وہ لوگوں کے دلوں میں اتر گئے ہیں۔ اور عربی زبان کے محاسن لوگوں کی شریانوں اور وریدوں میں سرایت کر گئے ہیں۔ ہر ایک قوم اپنی ہی زبان کو شیریں

استعملتها فی مآربها مع الآفها واشکالها واقیس هذا بنفسی وهی مطبوعة علی لغة لو خلد بها علم لاستغرب استغراب البعیر علی المیزاب والزرافة علی العراب ثم منتقلة الی العربیة والفارسیة فاما فی کل واحدة دخیل ومتکلف والهجو بالعربیة احب الی من المدح بالفارسیة وسیعرف مصداق قولی من تامل کتاب علم قد نقل الی الفارسی کیف ذهب رونقه وکسف باله واسود وجهه وزال الانتفاع به اذ لا تصلح هذه اللغة الا للاخبار الکسرویة والاسمار اللیلیة۔

بجھتی ہے جس سے وہ مانوس ہے اور جس کی وہ عادی ہے اور جسے وہ اپنے دوستوں اور ہمسروں کے ساتھ اپنی ضروریات میں استعمال کرتی ہے۔ پھر میں اپنے آپ پر قیاس کرتا ہوں میری اپنی مادری زبان (خوارزمی) ایسی غیر مستعف ہے کہ اگر اس میں کوئی علم مدوّن کیا جائے تو وہ ایسا ہی عجیب و غریب نظر آئے گا جیسا کہ وہ اونٹ جو کسی پرنالے پر ہو یا وہ زرافہ جو اصل عربی گھوڑوں کے گلہ میں دیکھا جائے۔ پھر عربی اور فارسی کو لیجیے۔ ان دونوں زبانوں میں میری حیثیت ایک اجنبی اور متکلف کی ہے۔ اگر کوئی شخص میری ہجو عربی میں کرے تو وہ ہجو مجھے اس مدح و ستائش سے زیادہ عزیز اور پسندیدہ ہوگی جو فارسی میں کی جائے میرے قول کی صداقت اس شخص پر فوراً واضح ہو جائے گی جو کسی ایسی علمی کتاب پر نگاہ ڈالے جو فارسی میں ترجمہ کی گئی ہو تو وہ دیکھے گا کہ اصل کی رونق جاتی رہی ہے۔ گویا اس کا منہ کالا ہو گیا ہے اور اس سے استفادہ ناممکن ہو گیا ہے کیونکہ یہ زبان صرف ایرانی داستانوں اور ان افسانوں ہی کے لیے مناسب ہے جو لوگ راتوں کو سنایا کرتے ہیں۔"

ایک مدت کی گمنامی کے بعد فارسی زبان نے آخر کار دوبارہ سر نکالا اور علمی لحاظ سے اس میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ ایرانی علماء نے عربی زبان کی مذہبی اور علمی کتابوں کو فارسی میں منتقل کرنا شروع کیا اور ان تراجم کے علاوہ مستقل تصانیف کی بھی ابتدا ہوئی۔ جس کا مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ عرصہ کے بعد فارسی زبان بھی مستعف ہو گئی اور اس نے دنیائے اسلام کی

ایک علمی زبان کی حیثیت حاصل کر لی۔

ایران کی جدید زبان یعنی فارسی اور ان کے لٹریچر کا نشو ونما ہر پہلو سے عربی ادبیات اور عربی اسالیب بیان کے زیر اثر ہوا۔ یہاں تک کہ ایرانیوں نے اپنی زبان کی کتابت کے لیے پہلوی رسم الخط کو چھوڑ کر عربی رسم الخط یعنی نسخ اختیار کر لیا اور فارسی شاعروں نے ان بحروں اور اوزان کو اختیار کر لیا جو عربوں کے ہاں مروّج تھے۔ ایک مدت تک وہ اصناف سخن اور مضامین میں بھی انہی کی پیروی کرتے رہے۔ نثر نگاروں کی زبان بھی عربی الفاظ سے بھرپور تھی۔ ایران کے نحویوں نے جب فارسی گرامر کی تدوین کی تو وہی اصطلاحات اختیار کر لیں جو عربی صرف ونحو کے لیے پہلے سے تجویز ہو چکی تھیں۔

ان ہی وجوہات سے پروفیسر براؤن اپنی 'لٹریری ہسٹری آف پرشیا' (جلد اوّل صفحہ ۹۰) میں لکھتے ہیں کہ: "مشرقی علوم کا آغاز میں نے ترکی زبان کے مطالعہ سے کیا مگر مجھے جلد ہی فارسی کی طرف توجہ کرنی پڑی کیونکہ ترکوں نے اپنا تمدّن اور اپنے اسالیب ادب ایران ہی سے لیے تھے مگر میں جلد ہی اس بات سے آگاہ ہو گیا کہ عربی زبان اور ادبیات اور عربی تمدّن کا علم حاصل کیے بغیر فارسی کی تحصیل کرنے والا شُد و بود سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

اگرچہ اہل ایران نے اپنے آپ کو رفتہ رفتہ عربی اثرات سے بہت حد تک آزاد کر لیا مگر جو عربی الفاظ صدیوں عربی تسلط کی وجہ سے ان کی زبان میں داخل ہو چکے تھے وہ زبان کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے۔ چنانچہ فارسی زبان میں آج تک ایک کثیر تعداد عربی الفاظ کی موجود ہے جن کے صحیح مفہوم اور درست استعمال کے لیے عربی زبان کا جاننا ازبس ضروری ہے۔

اہل ایران اس حقیقت سے خوب آگاہ ہیں۔ چنانچہ ایران کے مدارس میں عربی ابتدائی درجوں ہی سے لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے اور اس کی تعلیم صرف ادب اور آرٹس کے طلبہ تک محدود نہیں بلکہ علمی اصطلاحات کی خاطر سے قانون، طب اور دیگر فنون کی درسگاہوں میں بھی لازمی ہے۔

کچھ مدت سے بعض ایرانی حلقوں میں اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ فارسی زبان سے عربی عنصر

کو خارج کر دیا جائے اور چند مصنفوں نے "نامہ خسروان" جیسی اعجوبہ زاکتا بیں لکھ کر اس بارے میں عملی کوشش بھی کی ہے مگر انھیں چنداں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ عربی عنصر صدیوں سے فارسی کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے اور قدیم فارسی کے متروک الفاظ سے اہل ایران اس حد تک ناآشنا ہو چکے ہیں کہ ایسے الفاظ اب خود محتاج تشریح ہیں۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اہل ایران صدیوں تک مذہبی اور علمی تصانیف کے لیے عربی زبان کو کام میں لاتے رہے ہیں۔ جو نہ صرف عرب فاتحین کی بلکہ تمام عالم اسلام کی واحد مشترک علمی زبان تھی۔ چنانچہ پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ادبیات ایران میں سینکڑوں ایسی عربی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو خالصتہً ایرانی دل و دماغ کا نتیجہ ہیں۔ لہذا جو محقق ایرانیوں کی دماغی کاوش اور روح ایران کے مظاہر کا جامعیت کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہے وہ اہل ایران کی عربی تصانیف کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر اکثر اعلیٰ درس گاہوں میں فارسی ادبیات کی تحقیق کے سلسلہ میں عربی زبان کا جاننا لابدی سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ فتح اسلامی کے بعد ہر زمانہ کے ایرانی ادب میں عربی عنصر موجود ہے۔

عربی اور ترکی زبانوں کے باہمی تعلقات

ترکوں نے اسلامی اطوار اور ادبی اسالیب اولاً اہل ایران کے ذریعہ سے اخذ کیے اور ان کے ادب کا نشو و نما فارسی ادب کے زیر اثر ہوا۔ مگر خود فارسی زبان اور ادب میں عربی عنصر غالب تھا اس لیے یہ عنصر لا محالہ فارسی ادب کے توسط سے ترکی زبان اور ادب میں بھی منتقل ہو گیا۔ اس کے علاوہ مذہبی تعلقات کی وجہ سے بھی عربی زبان براہ راست ترکی زبان پر اثر انداز ہوئی۔ سلطنت عثمانیہ میں ابتدا ہی سے اسلامی قانون رائج تھا، لہذا فقہ اسلامی کا غائر مطالعہ کرنے، ایک عمدہ فقیہ بننے اور مذہبی مناصب پر فائز ہونے کے لیے عربی زبان کا علم ضروری تھا۔ خصوصاً جب سلطان سلیم کے عہد میں مصر بھی آل عثمان کی سلطنت میں شامل ہو گیا (۱۵۱۷ء) تو روم اور مصر کے علمی حلقوں میں ارتباط بڑھنے سے عربی تمدن کے اثرات ترکی سلطنت میں اور بھی راسخ ہو گئے۔ یہاں تک کہ استنبول

عربی علوم کا ایک اہم مرکز بن گیا جہاں عربی دان علماء و فضلاء کی شاہانہ قدردانی ہوتی تھی۔ خود ترکوں کے ہاں عربی زبان کے بہت سے جید عالم اور مصنف پیدا ہوئے۔ مثلاً طاش کوبری زادہ مصنف مفتاح السعادۃ، و شقائق النعمانیہ، اور حاجی خلیفہ مولف، کشف الظنون، وغیرہ۔

حلقہ اسلام میں داخل ہوتے ہی ترکوں نے اپنی زبان کی تحریر کے لیے عربی رسم الخط اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ ان کا دینی اور دنیوی لٹریچر جو انھوں نے گذشتہ چھ صدی میں پیدا کیا ہے عربی رسم الخط میں محفوظ ہے۔ اگرچہ ترکوں نے کچھ عرصہ سے عربی کی جگہ لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا ہے مگر اس بات کی توقع عبث ہے کہ ان کا تمام گذشتہ لٹریچر جو مطبوعات اور مخطوطات کی صورت میں موجود ہے لاطینی حروف میں منتقل ہو سکے۔ لہٰذا اس ترکی لٹریچر کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے عربی رسم الخط اور عربی زبان کا جاننا ضروری ہے۔

عربی ایک زندہ زبان ہے

عبرانی، یونانی، لاطینی اور سنسکرت کی طرح عربی زبان کا شمار بھی دنیا کی کلاسیکی یعنی قدیم اور مہذب زبانوں میں ہوتا ہے جن کے اپنے اپنے قدیم اور وسیع ادبی خزانے ہیں۔ مذکورۂ بالا تمام زبانوں کا استعمال علمی اور روزمرہ کی ضرورتوں کے لیے متروک ہو چکا ہے اس لیے یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ عربی اپنے وسیع اور متنوع لٹریچر کے لحاظ سے اگر ایک کلاسیکی زبان ہے تو اس کے ساتھ ہی وہ ایک زندہ اور جدید العہد زبان بھی ہے جو ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں تحریری اور تقریری زبان کی حیثیت سے مستعمل ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں: بلاد عرب، عراق، شام، فلسطین، اردن، مصر، طرابلس، لیبیا، تونس، الجزائر، مراکش، بلاد السودان، اور زنجبار۔ علاوہ بریں گذشتہ زمانے میں اندلس، صقلیہ، جزائر میورقہ منورقہ اور مڈغاسکر میں بھی عربی مروج رہی ہے۔ چنانچہ عربی اپنی وسعت مکانی اور دائرہ ترویج کے لحاظ سے دنیا کی تمام زبانوں میں انگریزی اور ہسپانوی سے اتر کر تیسرے درجہ پر ہے۔

یہ بات سچ ہے کہ خود بلاد عرب کے مختلف حصوں اور قبیلوں میں لسانی اختلاف پایا جاتا

ہے اور یہ اختلاف عربی ملکوں کی روزمرہ میں اور بھی نمایاں ہے مگر فصیح عربی جو تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاں ادبی اور کاروباری ضروریات کے لیے مستعمل ہے اور جس میں کتابیں، رسالے اور اخبار چھپتے ہیں، تمام ملکوں میں یکساں ہے اور اصول لسانی اور ترکیب نحوی کے لحاظ سے یہ وہی زبان ہے جو قرآن کریم اور جاہلی شعراء کی زبان ہے۔ اگرچہ عربی زبان کئی ارتقائی دوروں سے گزر چکی ہے اور تمدن کی نیرنگیوں اور نئے علوم و فنون کے وجود میں آنے سے اس کے ذخیرۂ الفاظ میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں مگر اس سے زبان کی ساخت اور اس کے بنیادی الفاظ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لہذا باوجود قدیم العہد ہونے کے عربی زمانۂ حال کی زندہ اور مہذب زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور علمی اور عملی دونوں لحاظ سے اہم ہے۔

عربی ایک بین الاقوامی زبان ہے

تمام عربی ملکوں کی تحریری زبان ایک ہی ہے یعنی وہاں جو کتابیں چھپتی ہیں اور جو اخبار و رسائل شائع ہوتے ہیں وہ لغت فصحیٰ ہی میں تحریر ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہر ملک کی بول چال کی زبان اس سے قدرے مختلف ہے۔ آیا ان مقامی بولیوں میں بھی کوئی لٹریچر پیدا ہو گا ایک مشکوک امر ہے۔ گزشتہ تجربہ کی بنا پر خیال غالب یہی ہے کہ فصیح عربی کی موجودگی میں کسی دارجہ یعنی مقامی بولی کا ادبی زبان کے درجہ تک پہنچنا قریب قریب ناممکن ہے۔ گذشتہ صدی میں مصر میں چند ایک اشخاص نے وہاں کی بول چال کی زبان میں کتابیں لکھی تھیں مگر ان کو عام رواج حاصل نہ ہو سکا۔ کیونکہ علماء نے اس قسم کی کتابوں کو ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھا ہے اور عوام نے بھی جن کے لیے وہ لکھی گئی تھیں۔ ان کی طرف چنداں توجہ نہیں کی۔ بعض مغربی سیاسی شاطروں نے عربوں کو وقتاً فوقتاً اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنی اپنی مقامی بولیوں کو ادبی زبان کے درجہ تک ترقی دیں۔ مگر اس قسم کے مشورہ کو احسان کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ کیونکہ اس سے عالم عرب کی ادبی اور ثقافتی وحدت کے پارہ پارہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں اتینہ دارالحکومت یونان میں مستشرقین کی بین الاقوامی کانگرس میں جب

اس قسم کی تجویز پیش ہوئی تو ایک مصری نمائندہ نے کہا کہ "بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم مغربی لوگ اپنے تبادل خیالات کی سہولت کے لیے مصنوعی زبانیں مثل اسپرانتو، ایدو اور وولا پک وضع کر رہے ہو اور ہمیں یہ مشورہ دیتے ہو کہ ہم عربی جیسی فصیح اور بنی بنائی زبان کو چھوڑ دیں جو روئے زمین کے کروڑوں مسلمانوں کے درمیان ایک بے نظیر لسانی رابطہ ہے۔ واللہ ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔"

عربی زبان نہ صرف عربی ممالک کے درمیان تبادل خیالات کا ایک آسان اور قدرتی ذریعہ ہے بلکہ ان کے علاوہ دنیا کی مختلف اسلامی اقوام کے درمیان بھی ایک مضبوط تمدنی اور ثقافتی رابطہ کا کام دیتی ہے۔ تمام اسلامی ملکوں میں عربی کی کم و بیش تعلیم ہوتی ہے اور وہاں علماء کی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو بوقت ضرورت عربی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنا سکتی ہے۔ اب یہ امر خود مسلمانوں کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ عربی کی اشاعت اور ترویج کر کے اس ذریعۂ اتحاد کو اور زیادہ مضبوط بنائیں۔ عربی کی بین الاقوامی حیثیت ایک ایسا امر واقعی ہے کہ اگر اہل اسلام اس کی افادی حیثیت اور اہمیت سے بخوبی آگاہ ہو جائیں تو اپنی فلاح و بہبود کے حصول میں اس رابطہ سے بہت کچھ مفید کام لے سکتے ہیں۔

مذہب اسلام اپنے ہر پیرو کے دل میں یہ خوشگوار اور حوصلہ افزا احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ ایک وسیع اور وقیع عالمگیر برادری کا فرد ہے۔ اس عالمگیر اتحاد کے احساس کو مضبوط کرنے میں عربی زبان کا بڑا حصہ ہے جو نہ صرف اسلامی وحدت کا ایک قوی ذریعہ ہے بلکہ اس کا ایک شاندار مظہر بھی ہے۔